مستشرقین کے قرآنی مطالعات کا تنقیدی جائزہ

تقی صادقی*

تلخیص وترجمہ: ڈاکٹر شیخ محمد حسنین

یورپ میں Renaissance کے بعد جو جدید افکار یورپی انسان کے ذہنی افق پر طلوع ہوئے، ان میں سے ایک تفکر مشرق زمین کے دین، زبان، تاریخ اور ادبیات کے بارے مطالعات یا "استشراق" Orientalism تھا۔ البتہ استشراق کا مفہوم و ماہیت واضح نہیں ہے۔ حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ آیا استشراق ایک علم ہے یا کوئی سیاسی چال۔ آیا یہ جغرافیا محور تحقیق ہے یا Metageographical مفہوم اور اس کے پس پردہ اغراض و مقاصد کیا ہیں۔

جہاں تک مستشرقین کے قرآنی مطالعات کا تعلق ہے، تو ہم اس کا جائزہ تین مختلف ادوار میں لے سکتے ہیں۔ پہلا دور ساتویں سے تیرہویں صدی عیسوی پر محیط ہے۔ اس دور میں اسلامی تمدن کے مقابلے میں کمزور کلیسا کی طرف سے قرآن کریم کے چند مغرضانہ ترجمے کیے گئے جن کے سبب اسلام کو جھوٹ پر مبنی، آسائش طلب، خرافاتی اور تلوار کا دین بنا کر پیش کیا گیا۔ استشراقی مطالعات کا دوسرا تیرہویں صدی سے اٹھارہویں صدی تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور صلیبی جنگوں کے بعد کلیسا طاقتور تھا اور اس نے یورپی معاشرہ میں اسلامی تعلیمات کے نفوذ کو روکنے کیلئے عربی زبان سیکھنے پر پابندی لگائی، قرآن کریم کے تراجم پر متعصبانہ دیباچے لکھوائے اور قرآنی آیات میں تناقضات ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی۔

استشراقی مطالعات کا تیسرا دور اٹھارہویں صدی سے موجودہ صدی پر محیط ہے۔ اس دور میں یورپ میں روشن خیالی، وجودی فلسفہ اور کثرت پرستی کے فلسفوں کے رواج کے سبب یورپی معاشرہ پر کلیسا کی اجارہ داری ختم ہوئی۔ یوں قرآنی مطالعات میں بھی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اس دور میں استعمار جہاں جہاں گیا، وہاں یورپی محققین کو نزدیک سے اسلامی معاشرے کو دیکھنے اور قرآنی تعلیمات کو صحیح شکل و صورت میں پڑھنے کا موقعہ بھی ملا۔ بحث کا ماحول عالمانہ اور ماہرانہ تر ہوا، کئی ادارے کھلے اور ہزاروں کی تعداد میں اسلام و قرآن پر تالیفات سامنے آئیں۔

ا۔ استشراق کیا ہے؟

اٹھارہویں صدی کی آخری دہائیوں میں یورپ میں کئی جدید سیاسی مکتب اور مختلف نظریات ظہور پذیر ہوئے۔ یورپ میں Renaissance کے بعد عالمی سطح پر کئی مفاہیم، اصطلاحات اور تہذیبوں میں تبدیلیاں آئیں۔ یورپی انسان کے افکار کے افق پر جو نئے تفکرات طلوع ہوئے، ان میں سے ایک تفکر "استشراق" (مشرق شناسی) یا Orientalism تھا۔ استشراق کی تعریف میں یورپی لغت نویسوں نے لکھا ہے کہ:

"اورنٹیالزم (استشراق) اُن مطالعات کا نام ہے جو اہل یورپ، مشرق زمین کے دین، زبان، تاریخ اور ادبیات کے بارے میں انجام دیتے ہیں۔" (1)

لہٰذا جو شخص بھی عالمِ مشرق کے بارے میں کچھ لکھتا یا مطالعہ کرتا، اسے مستشرق کہا جاتا تھا۔ لیکن بہت جلد یورپی اور مشرقی نقادوں نے یہ کہا کہ اس اصطلاح میں ایک ایسی حقیقت پنہاں ہے جسے دانستہ یا نادانستہ طور پر اس اصطلاح کے وضع کرنے والے چھپا رہے ہیں۔ ان نقادوں کی نظر میں "استشراق" کی اس تعریف میں درج ذیل تین اشکالات پائے جاتے تھے۔ ان اشکالات کا خلاصہ یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

1) یہ امر واضح نہیں ہے کہ یورپی عالم مشرق کے بارے میں کس تاریخی دورہ کے مطالعہ کو "استشراق" قرار دیتے ہیں؟ آیا یورپیوں کا عالم مشرق کے بارے میں ہر عصر اور ہر قسم کا مطالعہ استشراق ہے یا کچھ خاص ادوار کا مطالعہ استشراق ہے؟

---

* ۔ قونصلیٹ جنرل: ثقافتی قونصلیٹ، اسلامی جمہوریہ ایران، اسلام آباد

2) خود استشراق کا مفہوم ایک مبہم مفہوم ہے۔ یہ معین نہیں ہے کہ استشراق کی ماہیت کیا ہے؟ آیا یہ ایک سیاسی علم ہے یا کوئی مستقل علمی روش؟ اس سوال کا جواب بھی واضح نہیں ہے۔

3) استشراق کی جغرافیائی حدود کیا ہیں؟ وہ عالمِ مشرق جس کا مطالعہ یورپ کے مستشرقین کا ہدف ہے، اس کی جغرافیائی حدود کیا ہیں؟ یہ بھی واضح نہیں ہے۔ اور جہاں تک جغرافیائی مفاہیم کا تعلق ہے تو وہ بھی دگرگوں ہیں۔ خود یورپ کا لفظ ایک طویل عرصہ تک اس کرۂ ارض کے ان مناطق پر بھی بولا جاتا رہا ہے جو آج عالمِ مشرق کا حصہ شمار ہوتے ہیں۔ بہر صورت جغرافیائی اصطلاحات میں مشرق سے مراد ایشیا ہے لیکن استشراقی مطالعات میں ایشیاء اور افریقا میں کوئی فرق نہیں ڈالا جاتا۔

پس یہ واضح ہونا چاہیے کہ استشراقی مطالعات میں آیا عالمِ مشرق سے مراد فقط ایشیاء ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو پھر ان مطالعات میں افریقا کیسے شامل ہو جاتا ہے؟ اس حوالے سے ایڈورڈ سعید کا کہنا یہ ہے کہ استشراقی مطالعات میں ''مشرق'' کا مفہوم ایک Metageographical مفہوم ہے۔ اس کی نظر میں یہ مفہوم، در حقیقت جغرافیائی اور تہذیبی عناصر کا مرکب ہے۔ خلاصہ یہ کہ استشراق کا مفہوم، اپنے حدود اربعہ کے لحاظ سے بھی ایک مبہم مفہوم ہے۔" (2)

خلاصہ یہ کہ مستشرقین کے استشراقی مطالعات کی حدود و قیود واضح نہیں ہیں۔ نیز اگر یہ کہا جائے کہ مستشرقین کے مطالعات کی غرض و غایت آیا خالصتاً علمی ریسرچ آیا، یا ان مطالعات کے پس پردہ سیاسی اغراض و مقاصد چھپے ہوئے ہیں، یہ بھی واضح نہیں ہے۔ لیکن یہاں ہمارے مقالے کا موضوع، مستشرقین کے قرآنی مطالعات کا ایک تنقیدی جائزہ لینا ہے۔ درج ذیل مقالہ میں ہم اہل یورپ کے قرآن کے بارے میں مطالعات کا تین مختلف ادوار میں جائزہ لیں گے:

مستشرقین کے قرآنی مطالعات کا پہلا دور

یہ دور ساتویں صدی عیسوی میں مشرقی روم میں اسلامی فتوحات سے شروع ہوتا ہے اور تیرہویں صدی عیسوی میں صلیبی جنگوں کے اختتام پر ختم ہوتا ہے۔ مسلمانوں نے اس دور میں مشرقی روم کی سلطنت پر قبضہ کیا اور وہاں دینی، لسانی اور معاشرتی تبدیلیاں ایجاد کیں۔ مسلمانوں نے اپنے ماتحتوں کو آزادی کی نعمت سے نوازا۔ مسلمان حکومتوں کے ماتحت، وہاں کے عوام کو اس قدر آزادی ملی کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مناظرے کرتے اور یہاں تک کہ انہوں نے قرآن کے بارے میں کتابیں تالیف کیں۔ ان مناظروں کا بہترین نمونہ عربی اور سریانی زبانوں میں یوحنا دمشقی کے مناظرے ہیں۔ اسی طرح ابن کمونہ اور ابن میمون یہودی کے عربی آثار بھی اس حوالے سے قابل ذکر ہیں۔ بالخصوص عربی زبان میں ابن کمونہ کی تالیف ''تنقيح الابحاث عن الملل الثلاثة'' قابل ذکر ہے۔ (3) ابن کمونہ نے اپنی اس تالیف میں کوشش کی ہے کہ قرآن کریم اور انجیل میں نقائص نکال کر یہودیت کا دفاع کرے۔

مشرقی روم کے بعد مسلمانوں نے شمالی افریقا اور تھوڑے عرصہ بعد پہلی صدی ہجری کے اواخر میں اٹلی اور اسپین کے علاقے فتح کیے اور انہوں نے اس علاقے (اندلس اور سیسیل) میں بھی بے نظیر آثار چھوڑے۔ مسلمانوں نے قرطبہ (کوردوبا) غرناطہ (گراناد) طلیطلہ (تولدو) اور صقلیہ (سیسیل) جیسے شہروں میں مغربی اسلامی تمدن کی بنیاد رکھی۔ اسلامی تہذیب و تمدن کے یہ شاہکار دیکھ کر یورپی ششدر رہ گئے اور ان کے پاس اسلامی تہذیب کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہا۔

معروف یہ ہے کہ جب مسلمانوں نے پہلی بار سمندر پار کیا اور اسپین پہنچے تو اُس پار کے لوگ ہر ہنر میں مسلمانوں کے مقابلے میں بہت پیچھے تھے۔ اور "پیرنہ" (اسپانیائی Pirineos) کی اقوام کا عالم بھی یہی تھا۔ اس دوران یورپ کی اقتصادی اور معاشرتی حالت بھی دگرگوں تھی۔ (4) معنوی اور سماجی لحاظ سے بھی یورپ کی حالت اُس کی اقتصادی حالت سے زیادہ بہتر نہ تھی۔ اندلس کی فتح کے بعد یورپ نے اپنے سامنے علم و تمدن کا ایک نیا دریچہ کھلا دیکھا۔ اسلامی تمدن کی قدرت اور شکوہ کے یہ مظاہر دیکھ کر اہل یورپ نے اس تمدن کی امتیازی خصوصیات کے عوامل کی تلاش کے درپے ہوئے (اور ان کی یہی کوشش، ایک لحاظ سے استشراق کی اساس بنی) اس حوالے سے جو عمدہ اقدامات اٹھائے گئے وہ درج ذیل ہیں:

1) یورپی نوجوانواں کی علم کے حصول کیلئے اسلامی اور بالخصوص اندلس کی سرزمین کی طرف ہجرت۔

2) مسلمان ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات کی برقراری۔ مثال کے طور پر رشید اور شارلمان کی حکومتوں کے درمیان تعلقات قائم ہونا۔

3) باقاعدہ طور پر ان مراکز میں تعلیم کے حصول کیلئے ٹیمیں بھیجنا۔

4) یورپ میں عربی یونیورٹیوں کی طرز کے تعلیمی ادارے قائم کرنا۔

5) مسلمان اساتذہ اور دانشوروں کو استاد کی حیثیت سے یورپ کی یونیورسٹیوں میں قبول کرنا۔

6) اسلامی تہذیب کو لاتینی زبان میں جو کہ اس وقت کی علمی زبان تھی، منتقل کرنا۔ (5)

یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ جب یورپ میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا، وہاں کے بیمار کلیسا کا رویہ اور راستہ کچھ متفاوت ہی تھا۔ کلیسا نے یہاں دو اہم فیصلے کیے: ایک یہ کہ اندلس اور مراکش کے دینی اسلامی مراکز میں کچھ راہب اور دینی علوم کے طالبعلم بھیجے جن کا ہدف اس غرض و غایت سے عربی اسلامی علوم سیکھنا تھا کہ اسلامی تعلیمات میں نقائص ڈھونڈے جا سکیں اور اسلامی تعلیمات کے حوالے سے شکوک و شبہات اٹھائے جا سکیں۔ کلیسا نے دوسرا بڑا کام یہ انجام دیا کہ اس نے اسلامی تعلیم کے مدارس کھولے تاکہ ان میں جوانوں کو اسلام کے حوالے سے غلط تعلیم دی جا سکے۔ نیز اُن لوگوں کا راستہ روکا جا سکے جو اسلامی علوم کی تحصیل کی غرض سے عربی اسلامی ممالک کی طرف ہجرت کر رہے تھے۔ (6)

اس کے علاوہ کلیسا نے جو اہم کام انجام دیا، وہ یہ تھا کہ جب طلیطلہ (تولدو) مسلمانوں سے واپس لیا گیا تو اسلامی علوم، فلسفہ، ادبیات، فلکیات، طب ... وغیرہ کے لاتینی زبان میں ترجمے کیے گئے۔ پیر کلیسا کلونی (Cluny) نے اسلامی تعلیمات کا مقابلہ کرنے کیلئے Toledan Collectio نامی ایک ایسا مجموعہ فراہم کیا جس میں اس کے زعم میں اسلام کی ردّ میں گوناگوں مطالب مرتب کیے گئے تھے۔ کلیسا میں قرآن کریم کے جو ترجمے ہوئے، ان میں سے ایک اہم ترجمہ Robertus Ketenensis اور Herman Dalmatin کا ترجمہ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس سے پہلے اسلامی سائنسی علوم کا ترجمہ کیا۔ قرآن کریم کا یہ ترجمہ کئی مشرقی اور مغربی محققین کی گواہی کے مطابق ایک غیر علمی اور متعصبانہ ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ کے مقدمے میں ترجمے کا ہدف بھی اسلام کے خلاف تبلیغ بتایا گیا ہے۔

بلاشر (Régis Blachère) کے بقول یہ ترجمہ پانچ صدیوں تک مسیحیت اور اسلام کے درمیان بیہودہ مشاجرات کا سبب بنا رہا۔ یہاں تک کہ Renaissance کے عصر میں بھی اسی ترجمہ پر اکتفاء کیا گیا۔ (7) کلیسا کے اس پیر معزّز (Peter the Venerable) کی تصنیفات میں سے ایک تصنیف، "کفار کی تمام بدعت کے بارے میں" ہے۔ یہ تصنیف اسلامی تعلیمات کی ایک مختصر شرح ہے۔ یاد رہے اس تصنیف میں پیر کلیسا نے مسلمانوں کو کفار کا نام دیا ہے۔ اُس کی ایک اور نگارش "کفار (مسلمان) اور اُن کی کفر گوئیوں کے خلاف" ہے۔ اس کتاب میں اسلام کا قدرے تفصیلی رد پیش کیا گیا ہے۔ (8) اسلام اور قرآن کریم کے حوالے سے کلیسا کی جن تالیفات میں کسی منطقی، عقلی قانون کا خیال نہیں رکھا گیا، اُن میں بطور کلی اسلام کا تعارف کچھ یوں پیش کیا گیا ہے:

☆۔ اسلام تلوار کا دین ہے۔ اس حوالے سے پیٹر آلفونسی (Petrus Alphonsi) (وفات: ۱۱۱۰) کا خیال یہ تھا کہ تاراج، قیدی بنانا، خدا اور رسول کے دشمنوں کو تہہ تیغ کرنا اور ہر ممکنہ طریقے سے انہیں اذیت و آزار دینا، اسلامی شریعت کے احکام میں سے ہے۔ (9)

☆۔ اسلام جھوٹ پر مبنی، افسانوی اور خرافاتی دین ہے؛ کیونکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ مسلمان تیس خداؤں کی پرستش کرتے ہیں۔ یہ انسانوں کا گوشت کھاتے ہیں اور یہ یہودی مسیحی بدعت گذار ہیں جنہوں نے اپنی کتاب، دیگر منابع سے کانٹ چھانٹ کر مرتب کر لی ہے۔ (10)

☆۔ اسلام تن آسانی کا دین ہے۔ اسلام رفاہ اور تجمل کا دین ہے۔ اسلام کے بارے میں اہل یورپ کے قرون وسطائی تصورات کا ایک اور عنصر یہ ہے کہ ان کے مطابق اسلام نامحدود جنسی بہرہ گیری کا قائل ہے۔ ڈبلیو۔ ایم۔ واٹ (W.M.Watt) کے نکتہ نظر سے اسلام کے بارے میں یہ غلط تصور، درحقیقت مستشرقین کے قرآن سے نادرست ترجموں کی وجہ سے وجود میں آیا۔ ان غلط ترجموں کے سبب بعض نے یہ دعوی کیا کہ انہی ایک ایسی آیت بھی ملی ہے جو زنا کو جائز قرار دیتی ہے۔ ان کے مطابق جنسی لذت کا عروج، قرآن میں بہشت کی پیش کردہ تصویر میں ملتا ہے۔ البتہ واٹ کلیسا کی اس بہتان تراشی پر غصہ ہوتے ہوئے اس دعوی کو وقیحانہ قرار دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے: "اگرچہ یہ تصویریں قرآن میں پائی جاتی ہیں، لیکن قرآن کے مطابق بالاترین لذت "لقاء اللہ" کی لذت ہے۔ (11)

☆۔ پیغمبر اکرم ﷺ کے بارے میں کہا گیا کہ نعوذ باللہ آپ عیسائیت مخالف وہی شخصیت ہیں جن کے بارے میں مسیحیت کی تعلیمات میں پیشین گوئی کی گئی ہے۔ بقول واٹ جو کچھ اس دور میں اسلام کے بارے میں کہا گیا ہے اس میں کوئی علمی ٹھوس بنیاد نہیں بلکہ عاطفی اور نفسیاتی دلیلیں بیان کی گئی ہیں۔ در اصل مسیحیت، اسلام کے حوالے سے اپنے اندر احساس کمتری اور حقارت میں مبتلا تھی۔ اور ایسی ناروا تہمتوں کے ذریعے اس کی کوشش تھی کہ کسی طرح اپنا عقدہ خالی کر لے۔ اور جب کلیسا اوضاع احوال میں یوں کوئی تبدیلی نہ لا سکا تو اس نے صلیبی جنگوں کا آغاز کیا۔

استشراقی مطالعات کا دوسرا دور

استشراقی مطالعات کا دوسرا (تیرہویں صدی سے اٹھارہویں صدی تک) در اصل صلیبی جنگوں میں عیسائیوں کی شکست اور بعض یورپی ممالک میں مسلمانوں کی جزوی شکست اور ان کے اسپین سے خروج سے شروع ہوتا ہے۔ اس دور کی چند عمدہ خصوصیات درج ذیل ہیں:

1) قابل نفرت اور کمزور کلیسا اب قوت اور توانمندی کا احساس کر رہا تھا۔ کلیسا کی کوشش یہ تھی کہ اسلام کے گرویدہ یورپیوں کی اسلام کی طرف توجہ کو عیسائیت کی طرف مبذول کر دے۔ اس نے عربی زبان و ثقافت کی طرف تمایل کا سختی سے نوٹس لیا۔ لہٰذا اسپانیا سے مسلمانوں کے نکل جانے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد یہ حکم صادر کیا گیا کہ کوئی شخص عربی لکھے، نہ عربی بولے۔ یوں انہوں نے قرآن کی زبان یعنی عربی زبان کو حذف کر دیا۔

2) قرآن کریم کے متن کی چھپوائی پر پابندی لگا دی گئی اور ایک ایسا ترجمہ چھاپا گیا جو مغرضانہ اور لوگوں کے ذہن میں غلط تاثیر چھوڑتا تھا۔

3) کلیسا نے اسلام کے بارے میں مغربی دانشوروں کی تالیفات پر بھی کڑی نظر رکھی اور ان میں موجود کئی معلومات سانسور کر دی جاتیں۔ یہاں تک کہ قرآن کی طباعت کیلئے اُس پر Andre duryer اور George Sale کی مانند، ایک اہانت آمیز مقدمہ لکھنا ضروری تھا۔

4) کلیسا کے ان اقدامات کے نتیجے میں قرآن کریم کے کئی ناقص ترجمے اور بعض آیات کی ناقص تفاسیر لکھی گئیں اور مسیحیت کے حق میں قرآن کی آیات کی تفسیر کی گئی۔ نیز قرآنی تعلیمات کے بارے میں شکوک و شبہات ایجاد کرنا اور قرآن کے تناقضات کی بحث اور بعض آیات (مثلاً "یا

اخت ھارون") کے بارے میں شبہات اور قرآنی تناقضات کو ثابت کرنے کیلئے قراءات کے تعدد اور قرآنی نسخوں کے تعدد کو بہانہ بنایا گیا۔
ذیل میں قرآن کریم کے بارے میں استشراقی مطالعات کے نتیجے میں چھپنے والی بعض تالیفات کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

1. Ricoldo da Monte Cruce (1320م.) کی تالیفات "مسلمانوں اور قرآن کے خلاف جنگ"، "محمد کے قرآن کے خلاف" اور "قرآن پر ردّ" جیسی کتابیں اسی دور میں لکھی گئیں۔ ان کتابوں میں مصنف نے اسلام کے خلاف وہی اعتراضات اٹھائے جو عیسائیت نے اسلام اور قرآن کے خلاف اٹھائے تھے۔ ہاں اُس میں اس نے کچھ مزید اعتراضات کا اضافہ بھی کر دیا گیا۔
2. RamÓn MartÍ (1230 1284) کی تالیفات "ایمان کا خنجر"، "قرآن کے خلاف ایک سورہ"، "قرآن کے خلاف ایک کتابچہ" اور "یہودیوں کی لگام"۔ یہ کتابیں کئی صدیوں اسلام اور یہودیت کے خلاف عیسائی فقہاء کے مجادلات کا ایک عالی نمونہ شمار ہوتی رہیں۔
3. John of Segovia (۱۴۵۹) کا چودہویں صدی کے اختتام پر قرآن کا ترجمہ اور اس کی کتاب "روح کی شمشیر سے مسلمانوں پر وار" جیسی کتابیں بھی قابل ذکر ہیں۔ اس شخص کے پاس اسلام کی مخالفت میں اسلام کے خلاف لکھنے سے بہتر کوئی اور ہتھیار نہیں تھا۔
4. Theodor Bibliander(۱۵۰۴) کے قرآن کریم کے لاتینی ترجموں پر مقدمے اور ضمیمے جن کے عناوین "بدعت گذاروں اور مسلمانوں یا بنی اسماعیل کی اولاد کا مختصر جواب"، "محمّد کا مکتب"، "محمد کی میلاد اور پرورش گاہ" اور "مسلمانوں کی معیوب اور مضحکہ خیز خبریں" جیسی تالیفات اسی دور کی تالیفات کا ایک نمونہ ہیں۔
5. Dominicus Germanus (۱۵۸۸) کی تالیف "قرآن کریم کا ترجمہ اور اس پر نقد" اس دور کے مستشرقانہ مطالعات کا ایک اور نمونہ ہے۔
6. Ludovico Marracci کا اٹلی زبان میں قرآن کریم کا غیر منطقی ترجمہ، نیز اُس کی کتاب "اسلام کے بارے میں ایک تحقیق" بھی اسی دور کی تالیفات میں سے شمار ہوتے ہیں۔
7. George Sale کا "محمد کا قرآن" نام سے قرآن کریم کا ترجمہ بھی اس دور کے استشراقی مطالعات کا ماحصل ہے۔ اس ترجمہ کے کم از کم ۱۲۰ ایڈیشن چھپ چکے ہیں؛ حالانکہ اُس نے اِس ترجمے میں آپؐ پر یہ الزام تراشی کی ہے کہ آپؐ نے لوگوں پر ایک ساختگی دین ٹھونسا۔ نیز اس کا کہنا ہے کہ قرآن کا ایک نہیں بلکہ گوناگوں نسخے ہیں جو مضامین کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مطابقت نہیں رکھتے۔ وہ اس بات کا بھی قائل ہے کہ قرآن دیگر آسمانی کتابوں کا مقروض ہے اور وہ تدریجی وحی پر بھی یقین نہیں رکھتا۔

خلاصہ یہ کہ اس دور میں مستشرقین کے قرآنی مطالعات میں کلی طور پر قرآن کریم کی بابت ان کا رویہ مغرضانہ ہے۔ البتہ اس امر سے بھی چشم پوشی نہیں کی جا سکتی کہ اس دور کی آخری صدیوں میں Martin Luther کی اصلاح طلبی کی تحریک اور عقل پرستی کی پیدایش نے یورپ کے کئی علاقوں میں ایک متفاوت فضا ایجاد کی۔ لہٰذا پہلی بار مارٹن لتھر کے تعاون سے قرآن کریم کا عربی متن چھپ سکا۔(12) نیز اسی تحریک کے تحت قرآن کریم کے بارے میں کچھ منصفانہ تصنیفات بھی منظر عام پر آئیں اور Riland کی کتاب "محمدی دیانت کے بارے میں" بھی چھپ کر منظر عام پر آئی۔(13)

استشراقی مطالعات کا تیسرا دور

استشراقی مطالعات کا تیسرا دور اٹھارہویں صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے اور موجودہ صدی تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور میں بعض ایسے حوادث رونما ہوئے کہ جن کے سبب یورپ میں دینی مطالعات اور بالخصوص اسلام کے بارے میں مطالعات میں ایک نمایاں تبدیلی آئی۔ اس دور میں استشراق کے مفہوم جن اسباب کے سبب تبدیلیاں آئیں وہ درج ذیل ہیں:

1. روشن خیالی کی تحریک: (Enlightment) اس تحریک میں اس بات پر خاصا زور دیا گیا کہ تمام عقائد اور علوم میں عقلی تاملات کا عنصر شامل کیا جائے۔
2. وجودی فلسفہ: (Positivism) دین داروں کے مقابلے میں علم مداروں کی کامیابی کے بعد ایک نعرہ یہ سامنے آیا کہ معرفت اور شناخت کا تنہا منبع اور سرچشمہ، حس اور تجربہ ہے۔ وجودیت کے اس فلسفے کے مطابق حقائق ہستی فقط وہی تھے جو انسانی حواس کی دسترس میں آسکیں۔ یورپ میں اس فلسفے کے رواج کا ایک اثر یہ ہوا کہ یورپی معاشرے پر حاکم عیسائیت کی تعلیمات کی اجارہ داری ختم ہوئی اور مقدس متون کے نقادانہ مطالعہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسی طرح تاریخی مطالعہ میں بھی حدس و گمان پر مبنی دعووں کی گنجائش باقی نہ رہی۔ بے دلیل دعووں کا راستہ بند ہوا اور تاریخی مطالعات کی تنہا دلیل، تاریخی منابع قرار پائے۔
3. کثرت پرستی: (Pluralism) اس مکتب کا اساسی نعرہ، مطلق حقیقت کی نفی تھا۔ اس کے مطابق دنیا میں کوئی یکتا و تنہا حقیقت اور واحد دینِ نہیں پایا جاتا۔ سب ادیان و مذاہب، حقیقت کے مختلف بیان ہیں۔ یورپ میں اس مکتب کے وجود میں آنے سے گوناگوں ادیان و مذاہب کے مطالعہ کا دروازہ کھل گیا۔
4. قوم پرستی: (Nationalism) یورپ میں وطن اور قوم پرستی کی لہریں چلیں۔ اس تحریک کے نتیجے میں یورپ نے اپنی زبان و ثقافت کو اہمیت دی اور دیگر زبانوں میں موجود لٹریچر کا بھی ترجمہ قومی زبانوں میں ہونے لگا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کریم کے پرانے ترجموں کو نظرانداز کرتے ہوئے جدید تراجم منظر عام پر آئے اور یوں یورپیوں کو قرآن کے متن سے مستقیم استفادہ کرنے کا موقعہ ملا۔
5. استعمار: انیسویں صدی بوڑھے استعمار کے عروج کا دور ہے۔ اس دور میں کئی مسلمان علاقے استعماری طاقتوں کے زیر تسلط چلے گئے۔ لیکن اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ یہ دور محققین کے لیے حقیقی اور عینی شناخت کا امکان ساتھ لے کر آیا۔ استعمار، جہاں جہاں گیا، وہاں اس کے محققین کو یہ موقعہ ملا کہ مسلمانوں کی تہذیب اور اسلامی تعلیمات کا قریب سے مطالعہ کریں۔ البتہ استعماری مزاج نے بعض محققین کی آنکھیں بھی بند رکھیں اور وہ غرور و نخوت کی عینک اتار کر حقائق نہ دیکھ سکے۔

مذکورہ بالا مکاتب کے ساتھ دیگر جن مکاتب کا اضافہ کیا جا سکتا ہے، ان میں سکولاریزم، ہرمنوٹک، اور تطبیقی مطالعات وغیرہ ہیں۔ مذکورہ بالا مکاتب نے اپنے تمام تر نقائص کے باوجود یورپی ذہن پر افکار کے نئے دریچے کھولے۔ البتہ نتائج ہمیشہ مثبت اور پسندیدہ نہ تھے، بلکہ ایک طرف سے عیسائی مشنری مذاہب کا حضور اور جدید فرقوں کی فعالیت اور دوسری طرف عالم اسلام کا ضعف اور مغرب پرستی موجب بنی کہ لوگوں کا ایمان کمزور پڑ جائے اور دین و ایمان کی بابت نت نئے شبہات معرض وجود میں آئیں۔

بہر صورت، کلی طور پر سابقہ ادوار کی نسبت استشراقی مطالعات کے تیسرے دور میں رجحان بہتر رہااور اس دور کی درخشانی ابھی باقی ہے۔اس دور کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں یورپیوں کے ہمراہ مسلمانوں کو بھی استشراق کے عمل میں شراکت دی گئی۔ نیز بحث کا ماحول بھی عالمانہ اور ماہرانہ تر ہوا۔ یہ وہ دور تھاجب خود اہل یورپ نے بھی اپنے استشراقی مطالعات اور تالیفات کا تنقیدی جائزہ لیا۔اس سے قبل کہ مسلمان مصنفین اہل یورپ کی تصنیفات پر نقد و تبصرہ کرتے، خود مستشرقین نے اپنے خلاف نقادانہ تبصرے لکھے۔(14) جس چیز نے اس رجحان کو تقویت بخشی وہ استشراق کے انسٹیٹیوٹ کا قیام تھا۔ ذیل میں ہم ان امور کا جائزہ لیں گے جن کے سبب مستشرقانہ مطالعات کو وسعت ملی۔

استشراقی مطالعات میں وسعت

استشراقی مطالعات کے تیسرے دور میں جن عوامل کے سبب پوری دنیامیں ان مطالعات کو وسعت اور تقویت ملی وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ دنیاکے مختلف مناطق اور ممالک میں استشراق کے موضوع پر سیمینارز اور پروگرامز منعقد ہوئے۔ یہ پروگرامز جن پر ایک خاص نظم حاکم تھا، ان میں تحقیقی مواد پیش کیا جاتا اور مختلف موضوعات پر یورپی دانشوروں کے ساتھ ساتھ مسلمان دانشوروں سے بھی استفادہ کیا جاتا۔ یہ نشستیں ۱۹۰۶ میں قاہرہ میں، ۱۹۱۰ میں ایڈنبرگ میں، ۱۹۲۲ میں بیت المقدس میں، ۱۹۶۴ میں ماسکو میں، ۱۹۱۱ میں لکھنو میں اور ۱۹۶۴ میں روم میں منعقد ہوئیں۔ بعض سیمینارز اور نشستوں میں بعض مسلمانوں کی تحقیقات بھی پیش کی گئیں۔

مثال کے طور پر 1986 میں جرمنی میں انجینئر بازرگان کی تحقیق ''قرآنی سورتوں اور آیات کے نزول کی ترتیب'' پیش کی گئی اور باوجود اس کے کہ مستشرقین بازرگان کا ریاضی کا نظریہ نہ سمجھ پائے، انہوں نے اس کی تحقیق کو پذیرائی دی۔(15) اس حوالے سے آخری نشست میں قرآن کریم کی تفسیر کی تاریخ کے مختلف زاویوں پر پیش کیے جانے والے مقالات کا مجموعہ ایک جلد میں "اکیسویں صدی کے آغاز میں تفسیری مطالعات" کے نام سے چھپ کر سامنے آیا۔(16)

۲۔ مشرق شناسی کے ہر انسٹیٹیوٹ نے کم و بیش کوئی نہ کوئی مجلّہ نکالا۔ ان مجلات میں سے بعض مجلے تو کئی صدیوں سے چھپ رہے ہیں۔آج تین سو سے زائد عناوین پر یہ مجلات چھپ رہے ہیں جن میں شرق شناسی سے مربوط مسائل پر جدید ترین تحقیقات، مقالات کی صورت میں چھپ رہی ہیں۔(17)

۳۔ آج یورپ میں شاید ہی کوئی ایسا دارالحکومت ہو جہاں مشرق شناسی کا کوئی مرکز، کوئی اکیڈمی یا کوئی کرسی موجود نہ ہو۔ حتی کہ یورپ کے ان اداروں کے شعبہ جات مسلمان ممالک میں بھی موجود ہیں۔ ان مراکز میں یورپی اور مسلمان نوجوانوں کو استشراقی تعلیمات دی جاتی ہیں۔ بعض روشن خیال مسلمان مفکرین بھی انہی مراکز سے فارغ التحصیل ہیں۔

۴۔ آج بھی یورپ کے کئی ناشریں کا عمدہ کام اسلامی اور قرآنی موضوعات پر مواد کی اشاعت ہے۔ ان نشریاتی اداروں سے چھپنے والی کتابوں کی تعداد، مسلمان ممالک میں چھپنے والی کتابوں کی تعداد سے کم نہیں ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اسلام کے بارے میں ان مراکز سے ۱۸۰۰ عیسوی سے لے کر ۱۹۵۰ عیسوی کے درمیان ساٹھ ہزار کتابیں چھپ چکی ہے۔ نیز ان مراکز سے اسلام اور قرآن کے بارے میں ۱۹۰۶ سے ۱۹۶۵ کے درمیان ۲۰۷۱۴ مقالات چھپ چکے ہیں۔([18]) اس حوالے سے مستشرقین کی تالیفات کی تفصیل جاننے کیلئے Index Islamicus کا مطالعہ فرمایئے۔

جاری ہے--------

حوالہ جات

1۔ Oxford Dictionary, Oxford University Press, P. 18.

2۔ شرق شناسی؛ ادوارد سعید، ترجمہ عبد الرحیم گواہی، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، تہران، اول، ۱۳۷۷ش۔ ص ۳۷۶۔ مزید مطالعہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے: غرب زدگی، جلال آل احمد؛ مجلّہ مشکوۃ، شمارہ ۱۸و۱۹ "دیدگاھھای شفیعی کدکنی"۔

3۔ دایرۃ المعارف بزرگ اسلامی؛ زیر نظر کاظم موسوی، مرکز دایرۃ المعارف بزرگ اسلامی، تہران، ۱۳۷۰ش؛ ج ۴، ص ۵۲۵

4۔ برخورد آرای مسلمانان و مسیحیان؛ ویلیام مونتگمری وات، ترجمہ محمد حسین آریا؛ دفتر نشر فرہنگ اسلامی، تہران، ۱۳۷۳، اول؛ ص ۱۴۷۔

5۔ الفکر الاستشراقی؛ تاریخہ و تقویمہ، محمد الدسوقی، قم، اول، ۱۴۱۶ق؛ صص ۲۸ تا ۳۰۔

6۔ ایضا، ص ۳۴۔

7۔ در آستانۂ قرآن؛ رژی بلاشر، ترجمہ محمود رامیار، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، تہران، اول، ۱۳۷۱ش؛ ص ۲۹۳۔

8۔ رویکرد خاور شناسان بہ قرآن و تحلیل آن؛ تقی صادقی، فرہنگ گستر؛ تہران، ۱۳۷۹؛ ص ۴۲۔

9۔ برخورد آرای مسلمانان و مسیحیان؛ ص ۱۴۴۔

10۔ رویکرد خاور شناسان بہ قرآن و تحلیل آن؛ ص ۳۹۔

11۔ اسپانیای اسلامی۔

12۔ مزید اطلاعات کیلئے ملاحظہ فرمایئے: مجلّہ ترجمان وحی؛ ش اول، صص ۴۷ تا ۸۳۔

13۔ موسوعۃ المستشرقین، عبد الرحمان بدوی؛ دار العلم للملایین، بیروت، اول، ۱۹۸۴، ص ۱۹۱۔

14۔ ان اعتراضات کے نمونے H.Motzki کی تالیفات میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

15۔ مجلّہ نشر دانش؛ سال ۶، ش ۱، صص ۲۷ و ۳۷۔

16۔ اس نشست کی تفصیلات کیلئے دیکھیے:

. Approaches to the history of the interpretation of Quran; A. Rippin

17۔ آراء المستشرقین حول القرآن و تفسیر؛ عمر بن ابراہیم رضوان، دار الطیبہ، ریاض، بی تا ص ۵۳۔

18۔ رسالۃ القرآن، ش ۱۱، ۱۴۱۳ق، ص ۱۸۱۔